ظہیر الدین محمد بابر

سولہویں صدی کے ہندوستان کا معمار

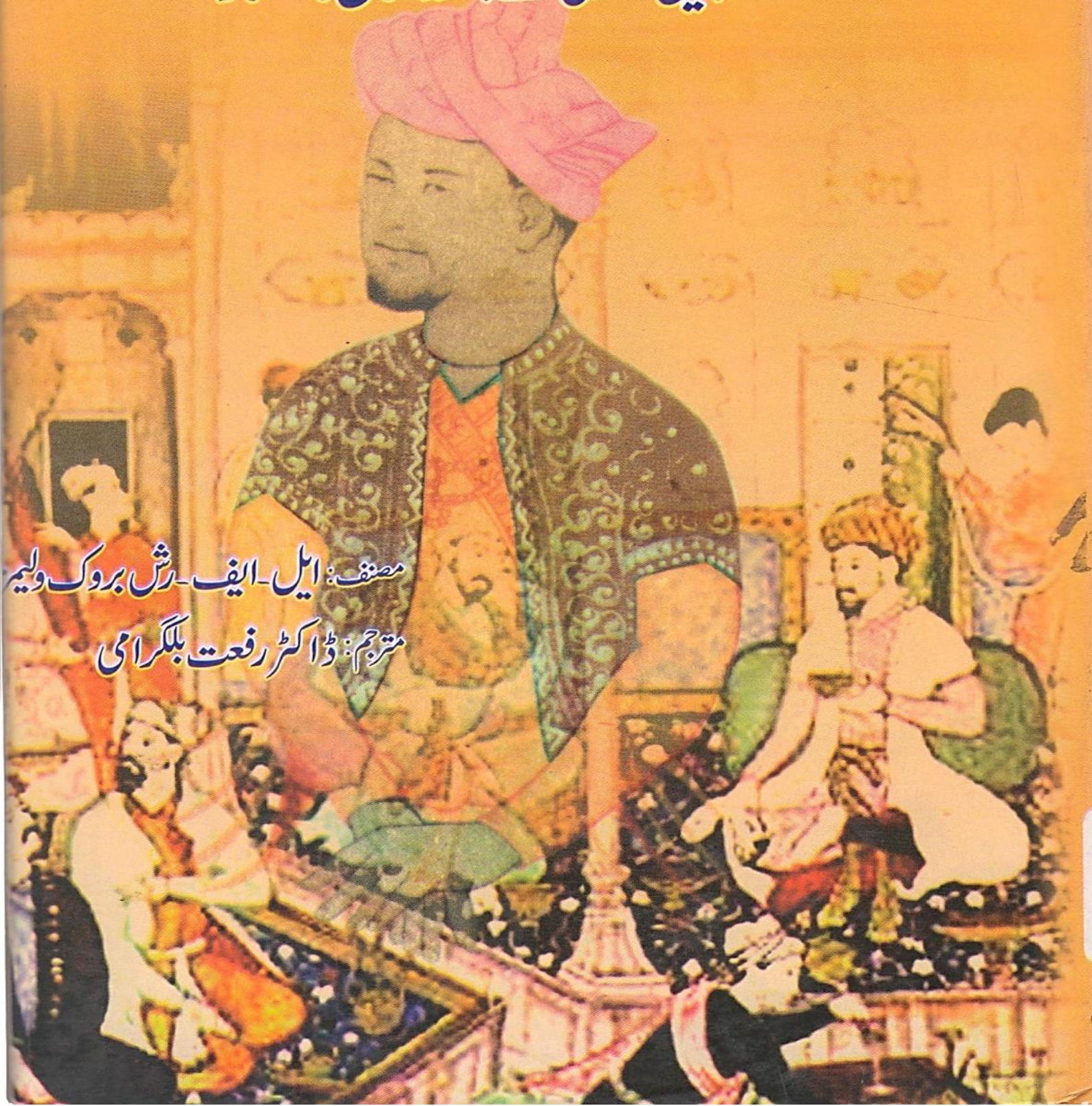

مصنف: ایل۔ایف۔رش بروک ولیم

مترجم: ڈاکٹر رفعت بلگرامی

ظہیر الدین محمد بابر

سولہویں صدی کے ہندوستان کا معمار

مصنف

ایل۔ایف۔رش بروک ولیمز

مترجم ڈاکٹر رفعت بلگرامی

یو پبلشرز

5-یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

فون:042-7241778 - 0333-4394686

فہرست

حیات بابر کے متعلق مستند ماخذ کی اجمالی فہرست		5
تعارف ہندوستان کی تاریخ میں بابر کا مقام مغلیہ حملے سے عین پہلے ہندوستان سیاسیات کا مختصر جائزہ		9
باب اوّل	بابر کا لڑکپن	31
باب دوم	جنگجو کی تربیت	55
باب سوم	مصیبت کے دن	74
باب چہارم	کابل	98
باب پنجم	دوبارہ سمرقند میں	119
باب ششم	فتح ہندوستان	151
باب ہفتم	سلطنت کی بنیادیں	193

فہرست نقشہ جات وخاکہ جات

نقشہ:۱	ہندوستان پندرھویں صدی میں	13
نقشہ:۲	فرغانہ اور اردگرد کے ممالک	30
نقشہ:۳	ہندوستان پر بابر کا حملہ	78
نقشہ:۴	بابر کے مقبوضہ علاقے ۱۵۳۰ء میں	122
خاکہ:۱	جنگ سرائے پل	145
خاکہ:۲	جنگ پانی پت	160
خاکہ:۳	جنگ کنوہ	182

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	:	ظہیر الدین محمد بابر
مصنف	:	ایل۔ایف۔رش بروک ولیمز
مترجم	:	ڈاکٹر رفعت بلگرامی
اشاعت	:	2005
اہتمام	:	عبیداللہ چوہدری
مطبع	:	حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور
برائے	:	یو پبلشرز لاہور
قیمت	:	150/=

طیب پبلشرز

5-یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

فون: 042-7241778 - 0333-4394686

عرض ناشر

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے اُن اسرار ورموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔حیات وکائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب وتطہیر سے رہا ہے۔مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگو ں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل وتعمیر سے ہے۔تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد ،سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ وترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔بولا ہوا لفظ یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقہ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم وفنون کا سرچشمہ یو پبلشرز کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے ۔اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ہماری کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے اس مقصد کے حصول کے لیے یو پبلشرز نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انہیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔(ناشر)

حیات بابر سے متعلق مستند ماخذ کی اجمالی فہرست

(الف) ماخذ خصوصی:

ا۔ بابر کی تصنیف ''ترک بابری''.....ایک ترکی متن المنسکی نے 1857ء میں دوسرا جوحیدرآبادی قلمی نسخے کا عکس ہے) مسز بیورج نے ۱۹۰۵ء میں شائع کیا۔ موخرالذکر غالبا بابر کے خود نوشت متن کی براہ راست نقل ہے (ملا خط ہو ایل ایشیا ٹک سوسائٹی کا جرنل ۱۹۰۶ء، ص ۸۷)

ترکی متن کے دو خاص فارسی تراجم میں پہلا پائندہ حسن نے کیا ہے اور دوسرا مرزا عبدالرحیم کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔

عمدہ ترین (انگریزی) تراجم تعداد میں تین ہیں ارسکن اور لیڈن کا ترجمہ (۱۸۲۶ء) جو، اب کمیاب ہے دوسرے فارسی ترجمے پر مبنی ہے یہ پڑھنے میں نہایت عمدہ ہے.....رواں اور واضح.....لیکن تمام مقامات پر اصل متن کا دیانت دارانہ ترجمہ نہیں پاوے ڈی کورئیل کا ترجمہ (۱۸۷۱ء) المنسکی کے ترکی متن پر مبنی ہے اور یہ ترجمہ جو یوروپین زبانوں کے قارئین کے لئے قابل حصول تھا کچھ ہی عرصہ قبل تک وہ واحد ترجمہ رہا ہے جو خود بابر کی تصنیف کردہ ''تزک بابری'' کے مطالیب واسالیب سے قریب تریں تھا۔

تیسرا اور تازہ ترین ترجمہ جو ابھی مکمل نہیں ہوا سب سے زیادہ دیانت دارانہ ہے اور یہ ترجمہ اہم حیدرآبادی قلمی نسخے پر مبنی ہے (عرصہ ہوا یہ مکمل ہو کر شائع ہو چکا ہے مترجم) یہ مسز اے ایس بیورج کی تصنیف ہے اس سے استفادہ کے لئے میں بہت زیادہ ممنون ہوں۔

اگر ''قصور بشریت'' (Personal equatlon) کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جائے تب بھی تزک بابری وہ تمام تفصیلات فراہم نہیں کرتی جو بابر کی زندگی کے متعلق ضروری ہیں اس میں تین اہم خلا ہیں پہلے میں ۱۵۰۳ء سے ۱۵۰۴ء تک دوسرے میں ۱۵۰۸ء سے ۱۵۱۹ء تک اور تیسرے میں 1520 سے 1925 تک کا زمانہ شامل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے دوسری اسناد سے رجوع کرنا ہی پڑتا ہے۔

۲۔ ''تاریخ رشیدی'' مؤلفہ مرزا حیدر دوغلت..... اس کا صرف ایک ترجمہ ہے جو این ایلیاس الیاس Elias اور ڈینسن راس نے کیا ہے مصنف بابر کا خالہ زاد بھائی تھا اور اس کی زندگی کے دور کابل میں بابر سے اس کا بہت قریبی تعلق رہا تھا مرزا حیدر کی تصنیف تزک بابری کے خلاؤں کو پر کرنے کے سلسلے میں خاص طور پر قیمتی ہے لیکن چونکہ مصنف کٹر سنی تھی اور شاہ اسماعیل اور اس کے تمام کارناموں سے سخت متنفر تھا اس لئے ۱۵۱۰ء اور اس کے بعد والے سالوں میں وہ ازبکوں کی حمایت پر مائل ہے یہاں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ ''حبیب السیر'' مؤلفہ خواند میر..... اس کے سنگی طباعت کے ایڈیشن بمبئی اور تہران میں شایع کیے گئے ہیں یہ ایک عالم گیر تاریخ ہے لیکن جلد سویم کے ابواب سویم و چہارم بابر اور شاہ اسماعیل کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں خصوصی طور پر اہم ہیں اس کا مصنف ایک وسیع المعلومات معاصر تھا جس نے بابر سے ہندوستان میں ملاقات کی تھی لیکن اس نے اپنا غیر وابستہ و غیر جانب دارانہ رویہ قائم رکھا اس تصنیف کا کام ۹۲۷ھ میں شروع کیا گیا تھا اور شاید ۹۳۵ھ تک جاری رہا اس کتاب سے بہت کم کام لیا گیا ہے جس کا اسبب غالباً یہ تھا کہ اسکا کبھی کوئی ترجمہ نہیں کیا اس کے وجود کا ارسکن کوئی علم نہ تھا۔

۴۔ ''احسن السیر'' مصنفہ مرزا برخوردار ترکمان..... اس کا میرے علم میں صرف ایک وہ نامکمل نسخہ ہے جو رامپور (یوپی) کے نواب عبدالسلام خاں کے کتب خانے میں موجود ہے اس میں نہایت تفصیل کے ساتھ بابر اور شاہ اسماعیل کے باہمی تعلقات کا تذکرہ کیا گیا ہے (شاہ اسماعیل کے نام ہی سے یہ کتاب معنون کی گئی تھی) یہ تاریخی تصنیف قابل توجہ ہے کیونکہ اس کا مصنف جو شیعہ تھا اور جس نے یہ کتاب بقول خود حبیب السیر کے اغلاط کو درست کرنے کی غرض سے لکھی تھی تمام اہم امور میں اس کی تائید و تصدیق کرتا ہے یہ تصنیف ۹۳۷ھ میں تمام ہوئی۔

۵۔ ''شیبانی نامہ''..... یہ مرزا محمد صالح کی تخلیق ہے جو بابر کے حریف اعظم کی منظوم تاریخ ہے اس کی ترتیب و تدوین اور ترجمے کا کام اے ویمبری نے انجام دیا ہے یہ اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ بابر اور شیبانی کی باہمی کش مکش کا ازبیگی پہلو اس میں پیش کیا گیا ہے

''عالم آرائے عباسی'' مصنفہ مرزا سکندر منشی..... اصلاً یہ کتاب صفوی حکمراں شاہ عباس ۱۵۸۸.....۱۶۲۸ء) کی تاریخ ہے اور ۱۶۱۶ء میں مرتب کی گئی تھی لیکن اس میں صفوی خاندان شاہی کی ابتدا اور بابر اور شاہ اسماعیل کے باہمی تعلقات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے میں نے باڈلین فریزر کے مسودات ۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷ سے استفادہ کیا ہے۔

۷۔ ''ہمایوں نامہ'' از گلبدن بیگم بنت بابر..... اس میں اپنے والد کے متعلق خاتون مصنفہ کی چند ذاتی اور گہری یادوں کے نقوش شامل ہیں لیکن یہ پورا تذکرہ انتہائی جانب دارانہ ہے اور ان مقامات پر نا قابل اعتماد بھی ہے جہاں بابر اور اس کے لڑکوں کے باہمی تعلقات کو ایک بہترین ممکن شکل میں پیش کیا گیا ہے اس کتاب کی تہذیب و ترتیب مسز بیورج نے نہایت خوش اسلوبی سے کی ہے۔

(ب) معمولی ماخذ:

۸۔ ''تاریخ حقی'' مصنفہ شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی..... لودی خاندان شاہی کے دور حکومت کے سلسلے میں مفید ہے شاہ بہلول اور اس کے جانشینوں کے عہد سلطنت کا جو حال اس میں مصنف پیش کرتا ہے اس کا علم اس کو یا تو خود عینی شاہدوں سے ہوا ہے یا سماعی روایات سے..... میں نے جس متن سے کام لیا ہے وہ باڈلین فریزر کا مسودہ ۱۶۲ ہے۔

۹۔ ''احسن التواریخ'' مصنفہ حسن..... یہ کتاب شاہ اسماعیل اور شاہ طہماسپ کے عہد حکمرانی کا ایک تاریخی تذکرہ ہے اور ۹۰۰ھ سے ۹۸۵ھ تک کے زمانے پر محیط ہے لیکن میری نظر سے جو نسخے گزرے ہیں ان میں (۹۱۳ھ ۹۳۱ھ تک ایک افسوس ناک خلا موجود ہے جس کے باعث تاریخ بابر کے ایک ماخذ کی حیثیت سے یہ کتاب اپنی بہت کچھ قیمت سے محروم ہوگئی ہے میں نے باڈلین اوسلے کا مسودہ ۱۲۳۲ استعمال کیا ہے۔

۱۰۔ ''تاریخ فرشتہ'' مصنفہ محمد بن قاسم..... تزک بابری کے خلاؤں کو پر کرنے کے سلسلے میں یہ کتاب کارآمد ہے اس میں بابر کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ کتاب کے باقی حصے کی طرح معقول، متوازن اور واضح جزئیات کا حامل ہے اس کا سب سے زیادہ قابل حصول نسخہ برگس کا ترجمہ ہے جس کی طباعت ثانی کلکتہ میں ہوئی ہے لیکن یہ شروع سے آخر تک دیانت

دارانہ ترجمہ نہیں ہے۔

۱۱۔ ''طبقات اکبری'' مصنفہ نظام الدین احمد...... یہ کتاب مسلمانوں کے حملوں سے لے کر سولھویں صدی کے اواخر تک کے زمانے سے متعلق ہندوستان کی ایک اچھی عمومی تاریخ ہے اس میں بابر کا ایک مختصر مگر عمدہ تذکرہ پیش کیا گیا ہے میں نے باڈلین ایلیٹ کے مسودہ ۳۸۱ سے استفادہ کیا ہے۔

۱۲۔ ''اکبر نامہ'' مصنفہ ابوالفضل اس میں بابر سے متعلق ایک تمہیدی باب شامل ہے جو خاص طور پر تزک بابری پر مبنی ہے لیکن مدح وستائش سے اس قدر لبریز ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا بہر حال یہ کتاب اس قابل ہے کہ موقع بہ موقع اس سے رجوع کیا جا سکے اور اس کا بلبیو تھیکا انڈیکا ایڈیشن آسانی سے دستیاب ہوسکتا ہے اس کا ترجمہ مسٹر ایچ بیورج کرر ہے ہیں۔

(ج) جدید تصانیف:

۱۳۔ ''اے ہسٹری آف انڈیا ان دی ٹائم آف بابر اینڈ ہمایو''......(۱۸۵۴ھ)...... مصنفہ ارسکن ...... یہ ایک نفیس اور عالمانہ تصنیف ہے...... ہندوستانی اور ایرانی نقطہ نظر سے یکساں طور پر بہت عمدہ ہے...... اس میں جس ٹھوس علمیت اور صحیح وصحت مند قوت فیصلہ کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اس کی وجہ سے آیندہ کسی بھی تصنیف کا اس پر سبقت لے جانا ہمیشہ دشوار ہی رہے گا لیکن مصنف نے چند اہم ماخذ خصوصاً نمبر ۳'۴'۵،۷اور ۹ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جس کے باعث بعض معاملات میں اس کے نتائج نظر ثانی کے محتاج ہیں۔

۱۴۔ ''بابر'' (رولرس آف انڈیا) مصنفہ لین پولؒ...... یہ بابر کی زندگی کا بہترین مختصر تذکرہ ہے جو آج کل دستیاب ہے لیکن اس کی تشکیل کلی طور پر مترجم ماخذ کی بنیاد پر ہوئی ہے اور مصنف نے ماخذ نمبر ۱۳،۲اور ۱ (پاوے ڈی کورٹ لیز کے ترجمہ) پر تکیہ کیا ہے۔

۱۵۔ ''لائف آف بابر'' مصنفہ کیلڈی کاٹ...... یہ بابر کے حالات زندگی کا ایک خلاصہ ہے قابل مطالعہ ہے اور بیشتر ''تزک بابری'' پر مبنی ہے۔

دگر تصانیف کے لئے قارئین ان حوالہ جات کی طرف توجہ فرمائیں جو صفحات کے ذیل میں پیش کیے گیے ہیں ان میں پوری تفصیلات مل جائیں گی۔

تعارف

ہندوستان کی تاریخ میں بابر کا مقام.....مغلیہ حملے سے عین پہلے ہندوستانی سیاسیات کا ایک مختصر جائزہ۔

تاریخ قرون وسطیٰ کے پورے عہد میں شاید کوئی دور ایسا نہیں جب سے ہمارے سیاسی آداب وشائستگی کے جدید احسان کو اتنا شدید صدمہ پہنچے جتنا پندرھویں صدی عیسوی کے سوسال سے لگتا ہے مشرق اور مغرب میں یکساں طور پر چودھویں صدی کا زمانہ ایک قبل از وقت لیکن امید افزا نشو ونما کا دور تھا ہر طرف پختہ مرتکز بادشاہتیں ابھر آئی تھیں جو اپنی پوری خارجی ہیبت میں طاقتور معلوم ہوتی تھیں اور ایسا نظر آتا تھا کہ معاشرتی وسیاسی حالات کی اصلاح میں وہ ایک اہم حصہ لینے کو تیار ہیں مغرب کی تہذیب میں عوام کے وسطی طبقات اقتدار میں ایک حصہ طلب کرنے اور حاصل کرنے لگے تھے.....مشرق میں طاقتور مطلق العنان بادشاہ پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے تجارت کی حوصلہ افزائی کی تھی تمام اطراف میں اپنی مملکتوں کی توسیع کی تھی امن وامان قائم رکھا تھا اور شورش کو جابرانہ ہاتھوں سے دبا دیا تھا .....لیکن اس اچانک اور قبل از وقت بالیدگی کے بعد ایک دور انحطاط شروع ہو گیا جو اور بھی زیادہ وحشت ناک حد تک تیز رفتار تھا وہ سیاسی وحدتیں جو پہلے اس درجہ محکم نظر آتی تھیں اب وحدت کے تمام لوازم سے عاری ثابت ہوتی ہیں وہ مطلق العنان مرتکز بادشاہتیں جو پہلے اس قدر طاقتور معلوم ہوتی تھیں اب درہم برہم ہو کر متغایر اجزا کے معذور انبار بن جاتی ہیں اور جو شورش پسند عناصر بظاہر ملک بدر کر دیئے گئے تھے وہ پہلے سے بھی زیادہ مہیب قوتوں کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں مشرق اور مغرب میں یکساں طور پر پندرھویں صدی ایک بے مثال انتشار کا زمانہ ہے.....ایک عصر غیر معقول و بے ہست .....ایک جہتی واستحکام کے عناصر سے یکساں طور پر محروم.....سیاسی معاشرے کی کایا پلٹ ہوتی نظر آتی ہے.....تاریخ

پہلی نظر میں ''جنگ زاغ وزغن کے پس وحقیر روپ میں نظر آتی ہے اور ایک سرسری مبصر کو جماعتوں' فرقوں اور ریاستوں کی اس حیران کن ابتری کے اسباب کا کوئی سراغ دریافت کرنے سے مایوسی ہو جاتی ہے۔

لیکن ایک زیادہ گہرا مشاہدہ ایسے تاثر کے بطلان کا بڑی تفصیل سے انکشاف دیتا ہے۔ یہ انتشار بظاہر حیران کن ہونے کے باوجود درحقیقت حالات کا محض ایک سطحی تموج ہے جو ان بعید تر گہرائیوں کو تقریباً غیر متاثر چھوڑ کر گزر جاتا ہے جہاں معاشرے کے اہم ترین حیاتی اجزائے ترکیبی پوشیدہ پڑے رہتے ہیں اس تمام ظاہری امثال کی تہہ میں وہ عناصر جن سے مستقبل کے جدید سیاسی معاشرے کو تعمیر ہونا ہے آہستہ آہستہ تشکیل پاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ لمحہ آجاتا ہے جب وہ غالب و ناقابل تردید بن کر سامنے آجاتے ہیں۔

یہ سولھویں صدی عیسی کی امتیازی خصوصیت ہے کہ مشرق اور مغرب میں یکساں طور پر تشکیل نو کا عمل شروع ہوا لیکن یہ تبدیلی ایک رحمت بے زحمت نہ تھی..... پندرھویں صدی اپنی تمام تر ابتری وفرومائیگی کے باوجود ایک ایسا عہد رہی تھی جس میں تمام فنون حیات کو فروغ حاصل ہوا تھا چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے چھوٹے درباروں میں.....خواہ وہ یورپ کے ہوں یا ہندوستان کے.....فن تعمیر اور فنون لطیفہ بعض خاص سمتوں میں ترقی پاکر اس منتہائے کمال کو پہنچ گئے تھے کہ بعد کا کوئی بھی عہد اس سے برتری تو کیا اس کی ہمسری بھی حاصل نہیں کرسکا ہے۔ سولھویں صدی جو جامع منصوبوں اور دوررس عزائم کا دور تھی متعدد لحاظ سے سخت تر اور کم انسان دوست تھی۔ اس کے خطوط زیادہ پرقوت وجلی ہیں اور اس لئے یہ نقش بہ یک وقت اس نزاکت اور جزئیات کی باریکی سے محروم ہے جو اس سے قبل کے عہد کی زیادہ تفصیلی اور کم واضح تصویر کا طرۂ امتیاز ہیں۔

اس طرح سولھویں صدی کا ابتدائی زمانہ دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی ایک عبوری دور ہے اور اس مقصد کے لئے کہ یہ قابل فہم بن سکے یہ ضروری ہے کہ اس پر ان حالات کی روشنی میں نظر ڈالی جائے جن کے خمیر سے اس کی تشکیل ہوئی ہے۔

چودھویں صدی کے ابتدائی نصف میں خلجیوں اور تغلقوں کی فوجیں سلطنت دہلی کے

پرچم دور دور تک پہونچا چکی تھی مستند حقائق کے علی الرغم پر دعوا نہیں کیا جا سکتا کہ ہر زمانے میں یہ اقتدار موثر تھا دور افتادہ اضلاع میں متواتر رونما ہونے والی بغاوتیں جو ایک بادشاہ کے دور حکومت کو اکثر و بیشتر ایک لامتناہی و مسلسل لشکر کشی کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہیں اس امر کی مظہر ہیں کہ یہ مطلق العنان حکمران خود اپنے گھر کے بھی مالک نہ تھے تاہم اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ علاوالدین اور محمد بن تغلق اپنی مملکتوں پر ایسا اقتدار رکھتے تھے جو عمومی طور پر موثر تھا۔

چودھویں صدی کے نصف آخر میں تصویر رفتہ رفتہ بدلتی ہے جیسے جیسے بار سلطنت کے تناسب سے مرکزی قوت میں ضعف پیدا ہوتا جاتا ہے دور افتادہ صوبے ایک ایک کر کے پریشان کن بنتے جاتے ہیں بیشتر معاملات میں واقعات ایک ہی راہ اختیار کرتے ہیں بادشاہ وقت کا کوئی معتمد ملازم شورش کو دبانے کے لئے بھیجا جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ خود کو ایک مکمل صوبے کا مالک پاتا ہے..... مفامی مفادات سے وابستہ..... دربار دہلی سے منقطع..... بعض اوقات اس کو دوبارہ زیر اطاعت لانے کی کوشش کی جاتی ہے جو ناکام ہو جاتی ہے لیکن بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ موت یا سازش اس کے قدیم آقا کو راہ سے ہٹا دیتی ہے اور تخت دہلی پر ایک ایسے ''عزیز مصر'' کو بٹھا دیتی ہے جو ''یوسف کنعاں'' کو نہیں جانتا جس کے بعد بہر صورت نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سردار غیر محسوس طور پر ایک آزاد مطلق العنان حکمران بن جاتی ہے..... اور اس طرح یہ ہوا کہ دہلی اپنے سابق وجود کا محض ایک سایہ بن کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملے نے اس بوسیدہ عمارت کو زمیں بوس کر ڈالا اور اس کے خاتمے کو بالکل ہی غیر مستحق طور پر ایک المیہ کا وقار عطا کر دیا اس طرح پندرھویں صدی میں ہندوستان کی کوئی تاریخ ہے ہی نہیں کیوں کہ ہندوستان جداگانہ ریاستوں کا ایک انبار بن چکا ہے بایں ہمہ ان ریاستوں کی تاریخ بجا طور پر توجہ کی مستحق ہے کیوں کہ یہی اس ملبے کے ڈھانچے تھے جس سے اگلی صدی کا تعمیری کام جاری رہنا تھا۔

اگر ہم پندرھویں صدی کے وسطی دس سال میں کھڑے ہو کر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں چار واضح زمروں میں منقسم ہیں سب سے اول وہ علاقہ ہے جسے مسلم طاقتوں کا شمالی حلقہ کہا جا سکتا ہے جو ایک عظیم نیم دائرے کی شکل میں سندھ کے

دہانے سے خلیج بنگال تک پھیلا ہوا ہے جنوبی سرے سے ہمیں سندھ کی سلطنت ملتی ہے اس سے ذرا شمال میں ملتان کی سلطنت اور بعدہ پنجاب جو کہ برائے نام دہلی کی ایک نائب شاہی ہے مگر درحقیقت تین طاقتور افغان خاندانوں کا مامن ہے۔ اس کے بعد خود دہلی اور اس کا عین نواحی علاقہ آتا ہے جس کے حکمراں اپنے دعووں کی بنا پر دور دور تک تضحیک کا نشانہ بننے کے باوجود ابھی تک شہنشاہان

ہندوستان ہونے کے مدعی ہیں[1] جنوب اور مشرق کی سمت شرقی شاہی خاندان کا دارالخلافہ جونپور واقع ہے جس کی حکومت اس علاقے کے بیشتر حصے پر ہے جو آگرہ و اودھ کے موجودہ صوبہ جات پر مشتمل ہے اس کے بھی آگے مشرق میں بنگال کی سلطنت ہے جو کہ اپنی زندگی الگ تھلگ گزار رہی ہے اور ہندوستان کی سریع الزوال سیاسیات میں محض تھوڑا سا حصہ لے رہی ہے دوسری زمرے کو جنوبی مسلم حلقہ کا نام دیا جاسکتا ہے اس میں سب سے پہلے مغرب کی سمت گجرات ہے جو کہ ایک بہت واضح جغرافیائی وحدت ہے مشرق میں اور آگے مالوہ ہے جس کی راجدھانی مانڈو ہے مالوہ کے جنوب میں خاندیش کی چھوٹی سی سلطنت ہے اور خاندیش کے جنوب میں دکن کی عظیم مملکت ہے جس پر بہمنی خاندان کی حکومت ہے مسلم ریاستوں کے شمالی و جنوبی حلقوں کے درمیان پھنسا ہوا راجپوتانہ ہے جو صدیوں کی استیصالی جنگ، وجدل کے بعد بھی لافانی و ناقابل تسخیر نظر آتا ہے اور اسلام کی سیاسیات میں پیدا ہونے والے تفرقات سے فائدہ اٹھا کر اپنی قدیم طاقت کا کچھ حصہ سرعت کے ساتھ دوبارہ حاصل کر رہا ہے۔ اس کی زیادہ قابل توجہ ریاستیں ہیں مارواڑ اور میواڑ اور ان میں میواڑ سب سے برتر ہے جو کہ اب بہت سرعت سے ایک صف اول کی طاقت بنتا جا رہا ہے جنوبی مسلم حلقے کے جنوب میں ایک اور عظیم ہندو طاقت سلطنت وجے نگر واقع ہے اور پندرھویں صدی کے دوران جنوبی ہندوستان کی بیشتر تاریخ اس سلطنت کے اپنے شمالی ہمسایوں کے خلاف

---

[1] یہ ایک معاصرانہ فارسی مقولہ تھا کہ ''پاشاہی شاہ عالم از دہلی تا پالم'' یعنی شاہ عالم کی سلطنت دہلی سے پالم تک پھیلی ہوئی ہے پالم دہلی سے نزدیک ہی ایک گاؤں ہے۔

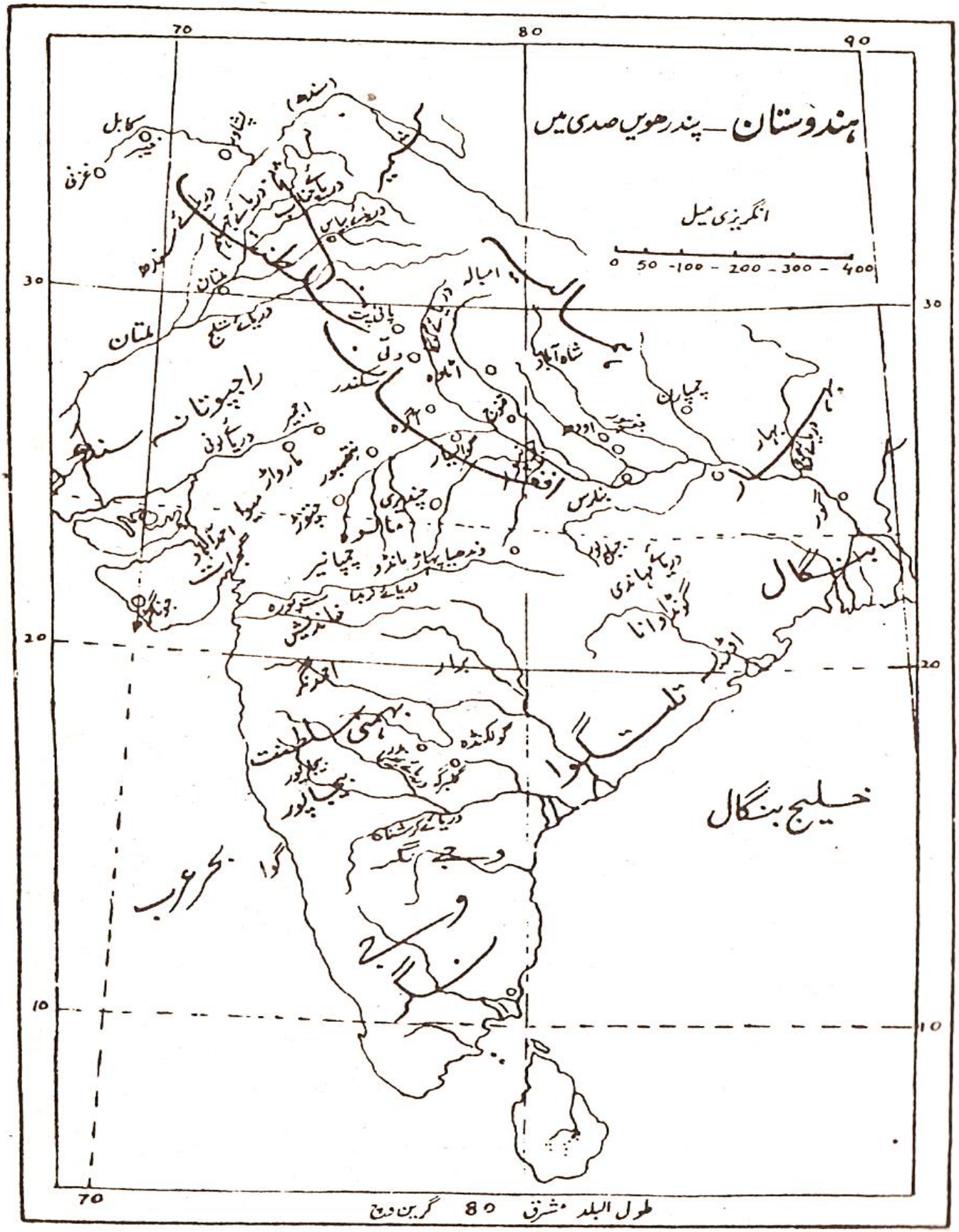

ہندوستان — پندرھویں صدی میں
انگریزی میل
0 50 100 200 300 400
70
80
90
30
20
10
کابل
غزنی
ملتان
راجپوتانہ
سندھ
دلی
پانی پت
انبالہ
سکندر
آگرہ
قنوج
اودھ
جونپور
چمپارن
بہار
بنارس
چندیری
مالوہ
مانڈو
چتوڑ
اجمیر
مارواڑ
گجرات
احمد آباد
چمپانیر
خاندیش
برار
احمد نگر
گولکنڈہ
بیجاپور
گوا
بحر عرب
خلیج بنگال
بنگال
تلنگانہ
اڑیسہ
طول البلد مشرق 80 گرینوچ

ظہیر الدین محمد بابر

سولہویں صدی کے ہندوستان کا معمار

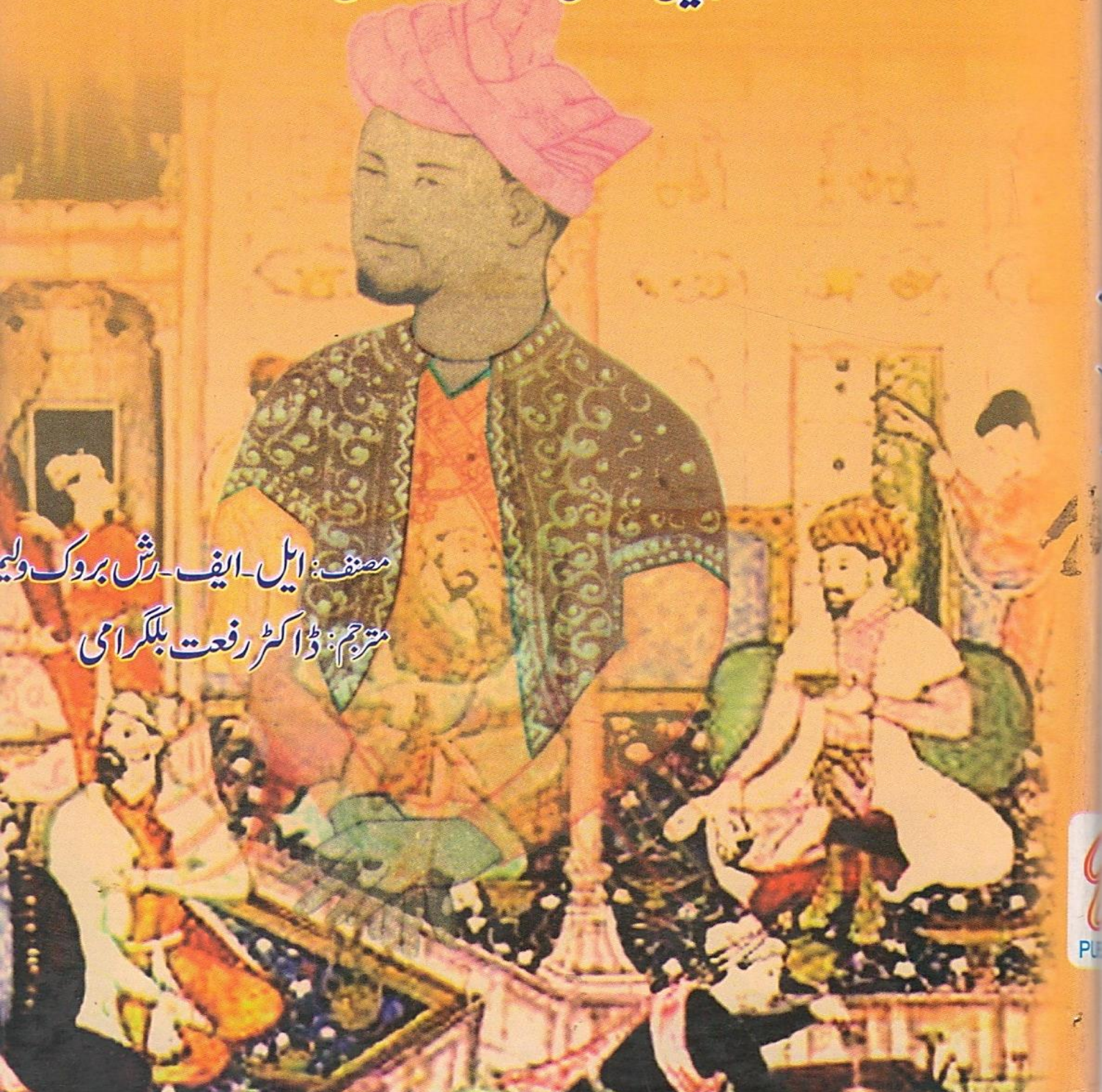

مصنف: ایل۔ایف۔رش بروک ولیم

مترجم: ڈاکٹر رفعت بلگرامی